Iḥyāʾ alʿulūm, Vol.:21, Issue: 02,July-Dec 2021
PP: 117-134

OPEN ACCESS
Iḥyāʾ alʿulūm
ISSN (Online): 2663-6263
ISSN (Print): 2663-6255
www.joqs-uok..com

عورت مارچ میں پاکستانی خواتین کے نعرے اسلامی اقدار کے تناظر میں

Slogans of Pakistani women in the Women's March in view of Islamic values

Alia Amber
MPhil Scholar, Dept. of Islamic Studies, University of Okara, Okara
Dr. Anwarullah
Lecturer, Dept. of Islamic Studies, University of Okara, Okara

DOI: (https://doi.org/10.46568/ihya.v21i2.103)

Abstract

Historically, Pakistan has been based on an ideology and that ideology is Islam. Islam has given social rights to women. The Qur'an is the basic and paramount source of Islamic sciences. It describes the rights of women in detail.There is even a major Surah in the Qur'an, "Surat al-Nisa" which is a Surah for women's rights. In the name of women's rights, a voice came from the West and then spread all over the world. UN agencies came into action and laws on women's rights began to be enacted and International Women's Day was celebrated. Its effects have also been felt in Pakistan and for almost four to five years, the Women's March has been celebrated in Pakistan as well. The Women's March chanted slogans that demanded women's freedom, will, identity, and other rights. This research paper is an attempt to explore the fact that what is need for women to use these slogans in the Islamic society of Pakistan. Furthermore, this research article also covers the debate on how these demands of women can be analyzed in the light of Pakistan's objective circumstances, culture, and Islamic values. This research paper will help to determine new avenues of research by clarifying the need, importance, and causes of the women's march in Pakistan.

Keywords :*women's march, women's rights, Islamic Social*

CC BY

values, Pakistani culture and Islam

پس منظر:

مغرب مذہبی اعتبار سے یہودیت اور عیسائیت کا مرکز رہا ہے۔سائنسی ترقی سے پہلے وہاں اہل مذہب ہی طاقت کا سرچشمہ تھے۔سیاست و قانون، تہذیب وثقافت اور اخلاقی اقدار کے لئے مذہبی راہنماؤں کا فرمان ہی معیار مانا جاتا تھا۔یہودی مذہب میں عورت کو گناہ اور غلطیوں کا سرچشمہ قرار دیا جاتا ہے۔اس لیے کہ ان کی تاریخ میں آدم اور خمار گندم کا سارا خمیازہ عورت ہی کو بھگتنا پڑا تھا۔یہودیوں میں بیٹیوں کا درجہ بیٹوں سے کم بلکہ نوکر چاکر سے بھی بدتر تھا، بھائیوں کی موجودگی میں اسے میراث کا حق نہ تھا، حتی کہ باپ اسے فروخت بھی کر سکتا تھا۔یہودیوں کے مستند انسائیکلوپیڈیا آف جیوئش میں ہے کہ مصیبت اول بیوی ہی کی تحریک پر سرزد ہوئی لہٰذا اس کو شوہر کا محکوم رکھا گیا ہے اور شوہر اس کا حاکم اور مالک ہوتا ہے اور وہ اس کی مملوکہ ہے۔'یہودیوں کی مشہور علمی اور ادبی کتاب "تالمود" جو دیک دینی ذخیرہ تصور کی جاتی ہے۔اس میں تحریر ہے کہ: "کوئی بھی یہودی کسی اجنبی عورت کی اگر عزت لوٹ لیتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اس لیے کہ غیر یہودی عورت جانورر کے برابر ہے اور کوئی شخص اپنی نفسانی خواہشات کو روک نہیں سکتا تو وہ انہیں پوری کر سکتا ہے بشرطیکہ رازداری سے ہو، یہودی اپنی بیوی کو ہر طریقے سے استعمال کرتے اور اس کے جسم کے ہر حصے کو اس لیے کہ بیوی کی مثال گوشت کے اس ٹکڑے کی ہے جو تم قصاب سے خریدتے ہو جسے تم بھون کر یا تل کر بھی کھا سکتے ہو۔[۲]

یہودیت میں عورت وراثت میں حصہ دار نہیں ٹھہرائی گئی ہے یہاں تک کہ اس کی اپنی کمائی بھی اس کی شادی سے پہلے اس کے والدین کی ہوتی ہے اور شادی کے بعد اس کی کمائی سے حاصل شدہ آمدنی اس کے شوہر کی ہوتی ہے۔یہودیت میں عورت کی کوئی حیثیت نظر نہیں آتی یہاں تک کہ باپ کی بیویاں بھی بیٹے کی وراثت میں شمار ہوتی ہیں۔[۳]

یہودیت میں عورتوں کی حالت خستہ و خراب تھی ایک یہودی بدوی لڑکی اپنے والد کے گھر میں ایک نوکرانی کی حیثیت رکھتی تھی۔سن بلوغت سے پہلے اس کے والد کو اختیار تھا کہ وہ جسے چاہے اسے بیچ ڈالے، باپ کی وفات کی صورت میں یہ اختیار بھائیوں کو منتقل ہو جاتا تھا۔یہودیت میں عورت اپنے خاوند یا باپ کی جائیداد کا ایک حصہ شمار کی جاتی تھی۔چنانچہ ایک متوفی مرد کی بیوائیں دوسری املاک کی طرح اس کے بیٹوں کو ورثے میں ملتی تھیں اس کا نتیجہ تھا کہ سوتیلے بیٹوں اور سوتیلی ماؤں کی آپس میں شادیاں ہوتی تھیں جنہیں اسلام نے نکاح المقت (شرمناک یا مکروہ نکاح) کے نام سے مطعون کر کے منع کر دیا۔یمن کے نیم یہودی اور نیم صابی قبیلوں کے یہاں تو ایک عورت کے بیک وقت بہت سے مردوں کی بیوی ہونے کا دستور بھی تھا۔عیسائیت میں عورت کو بہت ہی پست مقام دیا گیا ہے ان کے نزدیک گناہ عورت کے ذریعے ہی دنیا میں آیا ہے۔[۴]

سید ابوالاعلی مودودی لکھتے ہیں:

"مسیحی شریعت کی رو سے عورت مکمل طور پر مرد کے قابو میں تھی۔طلاق و خلع کی بھی اسے اجازت نہ تھی۔زوجین (میاں بیوی) میں خواہ کتنی ہی ناچاقی ہو وہ زبردستی ایک دوسرے کے ساتھ بندھے رہنے پر مجبور تھے۔بعض انتہائی حالات میں انہیں صرف علیحدگی کا حق تھا لیکن نکاح ثانی کا حق پھر بھی دونوں کو حاصل نہ تھا اور یہ پہلی صورت سے بھی بدتر تھی۔اس لیے کہ علیحدگی کے بعد بدکاری یا تجرد کے علاوہ تیسرا کوئی بھی راستہ نہ تھا۔شوہر کی وفات کے بعد بیوی کو اور بیوی کے مرنے کے

بعد شوہر کے نکاح ثانی کو مسیحی علماء شہوت کی بندگی اور ہوس زنی کا نام دے کر اسے مہذب زناکاری قرار دیتے تھے۔[۵]

سید جلال الدین انصر عمری لکھتے ہیں:

"سینٹ پال کا ایک خط جس میں اس نے لکھا تھا "عورت کو چپ چاپ کمال تابعداری سے سیکھنا چاہیے اور میں اجازت نہیں دیتا کہ عورت سکھائے یا مرد پر حکم چلائے بلکہ چپ چاپ رہے کیوں کہ پہلے آدم بنایا گیا اس کے بعد حوا اور آدم نے فریب نہیں کھایا بلکہ عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی" عیسائی معاشرے میں لڑکیوں کی خرید و فروخت معمولی بات تھی۔ شادی ایک تجارت تھی جس کے ذریعے والدین اپنی لڑکیوں اور لڑکوں کو فروخت کرتے تھے۔[۶]

عیسائیت کی مذہبی تعلیمات میں عورت سے لاتعلّقی کو مرد نے اپنی روحانی ترقی و پائیداری کے لیے ضروری سمجھ لیا تھا۔ عیسائی مذہب اور اس کی تعلیم کے مطابق عورت مرد کی بگڑی ہوئی ایک شکل ہے۔ چرچ نے یہ بتایا کہ عورت میں بچے پیدا کرنے کی اہلیت تو ہے لیکن وہ ان کی تربیت کی اہل نہیں ہے بچوں کی ذہنی و جسمانی تربیت باپ کے ذمہ ہے اور وہ اس دوران کہ جب باپ بچوں کی تربیت کرے تو انہیں ماں سے دور رکھے۔[۷]

پندرہویں صدی عیسوی کے بعد جب یورپ میں سائنسی انقلاب کا آغاز ہوا تو نت نئے انکشافات نے اہل مذہب کے معتقدات پر کاری ضرب لگائی۔ مغربی معاشرے پر مذہب کا قبضہ کمزور پڑنا شروع ہوا۔ بقول ول ڈیورانٹ ''جوں جوں علم بڑھتا یا بدلتا ہے یہ دیومالا اور الٰہیات سے ٹکراتا ہے۔ فنون اور علوم کا پروہتائی کنٹرول اذیت ناک سلاسل یا نفرت انگیز رکاوٹ محسوس کرتا ہے اور ذہنی و عقلی تاریخ سائنس اور مذہب کے درمیان تحارب کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ جو ادارے پہلے پادری طبقے کے ہاتھ میں تھے مثلاً قانون، سزا، تعلیم اور اخلاقیات، شادی اور طلاق، وہ ادارے خدّام الدین کے ہاتھوں سے نکل کر سیکولر اور دنیوی ہو جاتے ہیں۔ دانشور طبقہ قدیم الٰہیات اور اس کے ساتھ ساتھ اس سے متعلقہ اخلاقی ضابطے کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔ ادب اور فلسفہ پادری دشمن ہو جاتا ہے۔ آزادی کی تحریک عقل و دلیل کی پرستش تک جا پہنچتی ہے اور پر تیقن اور تصور کے متعلق مفلوج کر دینے والے ازالہ سحر کا شکار ہو جاتی ہے۔ مذہبی سہاروں سے محروم چال چلن عیّاشانہ انتشار میں ڈھل جاتا ہے۔ عقیدے کے بغیر زندگی شعوری افلاس اور داماندہ امارت دونوں کے لیے بوجھ بن جاتی ہے۔ بالآخر معاشرہ اور اس کا مذہب دونوں زوال کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جیسے جسم اور روح ایک طرح کی موت مرتے ہیں۔ اسی طرح مظلوموں میں ایک اور دیومالا جنم لیتی ہے جو انسانی امیدوں کو نئی شکل اور انسانی کاوش کو نیا دیتی ہے اور صدیوں کے انتشار کے بعد نئی تہذیب کی تعمیر کرتی ہے۔"[۸]

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

"۷ مارچ ۱۹۷۳ کی صبح ساڑھے چھ بجے بی بی سی لندن نے یہ خبر سنائی: آج برطانیہ کے شہر "نوٹنگھم" میں پچاس ہزار افراد نے حمل گرانے کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا۔ ہسپتالوں سے جمع کردہ اعداد بتاتے ہیں کہ ۱۹۷۲ میں ایک لاکھ انسٹھ ہزار دو سو پچاس حمل گرائے گئے۔ یہ سب کنواری لڑکیوں کے تھے۔ روزانہ اوسط ۴ سو پچاس بنتی ہے۔ یہ ان بچوں کے علاوہ تھے جنہیں یا تو دوشیزہ ماؤں نے خود رکھ لیا تھا یا سرکاری پرورش گاہوں میں بھجوا دیا تھا۔ مغرب کے علماء اس جنسی عمل کو عین حیاتیاتی عمل بتاتے ہیں۔ جب خواہش پیدا ہو اسے پورا کر لینا چاہیے ورنہ طرح طرح کی نفسیاتی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ عمل بعینہٖ اس طرح ہے جس طرح کسی کو پیاس لگے وہ پانی کا گلاس پی لے یا بھوک لگے تو کھانا کھا لے۔ وہ ہم پر خفا ہوتے ہیں کہ تم لوگوں نے اس سادہ

سے حیاتیاتی عمل میں اخلاق کو گھسیٹر دیا ہے اور اس کو پیچیدہ بنادیا ہے۔ یہ ابلہی اور حماقت کیونکہ اہل مغرب سے سر زد ہوئی ہے اس لیے اسے ابلہی اور حماقت کہنے کی جرات کون کر سکتا ہے۔"[9]

روزنامہ جنگ نے امریکی خاتون اول مسز ہیلری کلنٹن کے دورہ پاکستان کو یوں رپورٹ کیا ہے:

"امریکی خاتون اول مسز ہیلری کلنٹن (اپنے دورہ پاکستان کے دوران) اسلام آباد کالج فار گرلز کی اساتذہ اور طالبات کے ساتھ گھل مل گئیں اور ان سے ایک گھنٹے سے زیادہ دیر تک بے تکلفانہ گفتگو کی۔ ہیلری کلنٹن نے طالبات سے ان کے مسائل دریافت کیے۔ طالبات نے دوستانہ انداز میں کلنٹن کی اہلیہ کو سب مسائل بتائے۔ فورتھ ائیر کی طالبہ نائلہ خالد نے امریکی خاتون اول سے پوچھا کہ امریکی طالبات کا بنیادی مسئلہ کیا ہے؟ اس پر امریکہ کی ہیلری نے کھل کر گفتگو شروع کی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی طالبات کا مسئلہ تعلیم کی مناسب سہولیات کا فقدان ہے۔ تعلیمی اداروں میں فنڈز کی کمی کا مسئلہ ہے مگر امریکہ میں ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہاں بغیر شادی کیے طالبات اور لڑکیاں حاملہ بن جاتی ہیں۔ اس طرح بے چاری لڑکی ساری عمر بچے کو پالنے کی ذمہ داری نباہتی ہے۔ ایک دوسری طالبہ وجیہہ جاوید نے کہا کہ اس مسئلے کا حل کیا ہے؟ اس پر ہیلری کلنٹن نے کہا کہ اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ نوجوان لڑکے لڑکیوں کو خواہ وہ عیسائی ہوں یا مسلمان اپنے مذہب اور معاشرتی اقدار سے بغاوت نہیں کرنی چاہیے، مذہبی اور سماجی روایات اور اصولوں کے مطابق شادی کے بندھن میں بندھنا چاہیے، اپنی اور اپنے والدین کی عزت و آبرو اور سکون کو غارت نہیں کرنا چاہیے۔ مسز ہیلری نے کہا کہ وہ اسلام اور عیسائیت کی شادی کے خلاف نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں مذہبی روایات کا احترام کرتے ہوئے شادی ہوتی ہے اس لیے یہاں لڑکیوں کے مسائل کم ہیں۔"[10]

عورت مارچ کی ابتدا:

جب مغربی ممالک نے اپنے سیاسی عروج کے بعد اپنی تہذیب و ثقافت کے تحفظ کے لئے اقوام متحدہ کا ادارہ قائم کیا تو اس سے حقوق نسواں کی تحریک اور انگیز ہوئی۔ یہ ادارہ آغاز ہی سے مغربی تہذیب و ثقافت کو فروغ دینے اور اسے تمام دنیا میں برتری دلانے کے لئے کوشاں ہی۔ یہ اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وقتاً فوقتاً بے شمار سیمینار، ورک شاپس، کانفرنسیں اور کنونشن منعقد کرتا رہتا ہے۔ پھر ان کے ذریعے تمام ممبر ممالک کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ان سفارشات پر عمل درآمد کو یقینی بنائیں تاکہ تمام ممبر ممالک کا نظام ان کی خواہشات اور ترجیحات کے مطابق چلے اور کوئی ان کے حکم سے سر موتابی نہ کر سکے۔"

عورت کے حقوق کے نام پر یو۔ این۔ او کئی بین الاقوامی خواتین کانفرس منعقد کر چکا ہے۔ مثلاً خواتین کی پہلی عالمی کانفرنس ۱۹۷۵ میکسیکو میں ہوئی اور اور پھر اس سال کو خواتین کا عالمی سال منایا گیا۔ اب ہر سال ۸ مارچ کو خواتین کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ دوسری عالمی کانفرنس ۱۹۸۵ میں نیروبی میں ہوئی۔ تیسری عالمی کانفرنس ۱۹۹۰ میں کوپن ہیگن میں منعقد ہوئی۔ جبکہ چوتھی عالمی کانفرنس ستمبر ۱۹۹۵ میں بیجنگ (چین) میں منعقد ہوئی۔ خواتین کے بارے میں بین الاقوامی کنونشنز اور کانفرنسوں میں سب سے زیادہ اہمیت بیجنگ کانفرنس ۱۹۹۵ کے پلیٹ فارم برائے ایکشن **(BPFA)** کو حاصل ہے۔

خواتین کی پانچویں عالمی کانفرس ستمبر ۲۰۰۰ اقوام متحدہ نے منعقد کروائی اسے بیجنگ + ۵ کا نام دیا گیا۔ خواتین کی چھٹی عالمی کانفرنس بیجنگ + ۱۰ کے نام سے مارچ ۲۰۰۵ میں امریکہ کے شہر نیویارک میں منعقد ہوئی۔ پانچویں اور چھٹی کانفرنس

در حقیقت بیجنگ کانفرنس ۱۹۹۵ کی سفارشات پر عمل درآمد کو یقینی بنانے اور اس کے مقاصد اور اہداف کے تیز تر حصول کے لئے منعقد کی گئیں۔ ان کانفرنسوں نے عورتوں کے حقوق کے ضمن میں نئے مذہب کی تشکیل کے امر کو آسان بنانے کے لئے معاشرتی ذہن سازی میں اہم کردار ادا کیا۔

ان کانفرنسوں کے نتیجے میں نسبتاً اب عورت آزاد فضا میں آزادی اور خود اعتمادی محسوس کرنے لگی۔ وہ شانہ بشانہ مرد کے ساتھ ہر جگہ کام کرنے لگی۔ حتیٰ کہ وہ اقوام متحدہ کے چارٹر میں یہ شق رکھوانے میں بھی کامیاب ہو گئی کہ عورت اور مرد کے تمام حقوق یکساں اور برابر ہیں۔ پھر اس نے اسقاط حمل کا حق بھی مانگا جو ۱۹۷۰ میں اسے مل گیا۔ [۱۲]

عورت مارچ کے نعرے:

پاکستان کے مختلف شہروں میں خواتین 8 مارچ کو احتجاجی مظاہرے کرتی ہیں جنہیں عورت مارچ کہا جاتا ہے۔ گذشتہ سال عورت مارچ میں شریک خواتین نے ایک ترانہ پیش کیا جو درج ذیل ہے:

پدرشاہی قاضی ہے اور ہمارا وجود ایک جرم
ہماری سزا وہ تشدد ہے، جو تمہیں آتا نہیں نظر
یہ ہے قتل نسواں اور قاتل ہے آزاد
سن لو تم یہ ریپ ہے، نہیں ہے عصمت دری
نا میری غلطی میرے کپڑے
نا وہ جگہ جہاں میں تھی
نہ میرا طبقہ میرا مذہب، میری محنت مزدوری
اور وہ ریپسٹ ہو تم اور وہ قاتل ہو تم
یہ پولیس، یہ نظام، یہ قانون یہ حکمران، یہ جاگیردار
یہ سرکار، یہ ملّا اور مذہب کے ٹھیکیدار
اور وہ ریپسٹ ہو تم اور وہ قاتل ہو تم
اور ظالم ہے ریاست اور قاتل ہے ریاست
اب ظلم نہیں منظور ہم ہیں لڑنے کو تیار۔
طاقت کا پاسہ پلٹے گا۔ اب عورت ہو گی آزاد۔ [۱۳]

عورت مارچ کے شرکاء نے پلے کارڈز اور پوسٹرز اٹھا رکھے تھے اور ان پر درج ذیل نعرے درج تھے۔

(۱) میرا جسم میری مرضی (۲) طلاق یافتہ لیکن خوش (۳) تولیدی صحت کے حقوق عورت کو دیے جائیں (۴) اپنا کھانا خود گرم کرلو۔ (۵) PATRIARCHY کی تو بینڈ بجادوں گی۔ (۶) آوارہ نہیں آزاد ہو۔ (۷) قانون اور آئین کے تحت مارچ کو نہیں روکا جاسکتا (۸) عورت کی شناخت مرد سے نہیں ہوتی اس کا اپنا وجود ہے (۹) صنف کی بنیاد پر تشدد کا خاتمہ کیا جائے (۱۰) میری شادی نہیں میری آزادی کی فکر کرو۔

میرا جسم میری مرضی:

بی بی سی کی منزہ انوار سے گفتگو کرتے ہوئے ایک خاتون (جس نے یہ پوسٹر اٹھایا ہوا تھا" میرا جسم میری مرضی" اور اپنا نام اس خاتون نے خوف کی وجہ سے نہ بتایا) نے کہا کہ میرا جسم میری مرضی کا مطلب ہے کہ عورت اپنے جسم پر اپنا اختیار اور آزادی چاہتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اسے اپنے جسم سے متعلق فیصلے کرنے کا حق ہو، یہ چننے کا اختیار ہو کہ اس جسم کے ساتھ کیا کیا جائے، جو پہننا چاہے بنا ریپ کے خوف کے اسے پہننے کا حق ہو۔ "اس کا مطلب ہے کم عمری میں شادی کی مخالفت، خواتین کے ختنوں کی (فیمیل جینیٹل میوٹیلیشن) کی مخالفت، اپنی مرضی سے شادی کا حق، شوہر کو جنسی زبردستی سے روکنے کا حق وغیرہ ہے۔ یہ حق ہے کہ اسے روزگار یا تفریح کے مقام تک رسائی ہو اور یہ حق کہ اس کے جسم کو جنسی کنٹرول کی آڑ میں کوئی مسخ نہ کر سکے۔ ایک عورت کا جسم کب اسے بچے پیدا کرنے کی اجازت دیتا ہے اور کب وہ بچے پیدا کرنے کا عمل روکنا چاہتی ہے، ایک عورت کو اپنی مرضی سے اپنے جسم سے متعلق فیصلے کرنے کا حق ہونا چاہیے"۔ اسی بارے میں قوت مرزا کہتی ہیں" ہمارے معاشرے میں لوگ عورتوں کے ساتھ ہونے والے مظالم کو قبول کر کے بیٹھ گئے ہیں اور انہیں یہ سننے میں بہت برا لگتا ہے کہ عورتیں اپنے جسم پر حقوق کی بات کر رہی ہیں اسی لیے وہ اسے غلط انداز سے دیکھتے ہیں اور فحاشی گردانتے ہیں۔ صدیوں سے تحریک نسواں کو اسی چیز پر نشانہ بنایا گیا ہے اور آج تک یہی کیا جا رہا ہے"۔ اگر آپ کو لگتا ہے کہ پوسٹروں پر لکھے نعرے فحش ہیں تو آپ معاشرے سے فحاشی ختم کر دیں، نعرے خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے"۔[۱۴]

طلاق یافتہ لیکن خوش:

انہی پلے کارڈ میں سے ایک صحافت سے وابستہ صباحت زکریا نے اٹھا رکھا تھا، جس پر درج تھا"طلاق یافتہ لیکن خوش" ثنا آصف ڈار کہتی ہیں جب ہم نے صباحت سے اس نعرے کا مطلب پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ان کا خیال ہے کہ پاکستان میں خواتین کی شناخت کو صرف ان کی شادی سے منسوب کر دیا جاتا ہے، ہمارے ہاں خواتین کو صرف شادی کی حد تک محدود کر دیا جاتا ہے، اس سے ہٹ کر ان کی کوئی شناخت نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی اس میں دلچسپی لیتا ہے، جب شادی یا طلاق کے حوالے سے بات کی جاتی ہے تو عورتوں کی بے چارگی یا ان کے دکھ پر ہی افسوس کیا جاتا ہے ۔ وہ کہتی ہیں کہ وہ بطور ایک انسان، سنگل ویمن، سنگل مدر اور طلاق یافتہ عورت کے خوشی محسوس کرتی تھیں۔[۱۵] کراچی سے ثناء جہانگیر (جو کہ انڈس ہسپتال سے بحیثیت ایچ آر پروفیشنل منسلک ہیں) کا کہنا تھا کہ میری شادی بہت چھوٹی عمر میں ہوئی اس وقت تو مجھے شادی کا مطلب بھی معلوم نہیں تھا، لیکن بدقسمتی سے یہ ناکام ہو گئی، مجھے شروع سے ہی تشدد کا سامنا کرنا پڑا، وہ جسمانی تشدد بھی تھا اور ذہنی بھی۔ شادی سے پہلے میں جیسی تھی، اس کے بعد میں بالکل تبدیل ہو گئی۔ جب بھی میں نے اپنے ساتھ ہونے والے واقعات کے بارے میں کچھ کہنے کی کوشش کی تو مجھے چپ کرا دیا گیا کہ بیٹیوں کو گھر بسانا ہوتا ہے اور ان کا کام ہوتا ہے کہ حالات سے سمجھوتا کر لیں کیوں کہ وہیں گزارا کرنا ہے، تو میں نے یہ سن کر ہار مان لی۔ میری ایک بیٹی بھی ہوئی تھی لیکن اسے قبول نہیں کیا گیا اور اس کا تو نام دینے میں بھی بہت مشکل پیش آئی اور ایسا تاثر دیا گیا کہ بیٹی آ گئی تو بوجھ آ گیا، بیٹا ہوتا تو اچھا ہوتا۔ بہر حال شادی ختم ہونے کے بعد میں نے اپنا تعلیمی سلسلہ دوبارہ شروع کیا، اس میں میری والدہ نے بہت ساتھ دیا، انٹر کے بعد ہی شادی ہو گئی تھی لہٰذا اب ایم بی اے کرنے کے بعد سے نوکری کر رہی ہوں، خوش ہوں اور اپنی بیٹی کی زندگی پر توجہ دے رہی ہوں اور آج میں اس مقام پر ہوں کہ میں اپنی

زندگی کی کہانی اعتماد کے ساتھ بتاسکتی ہوں۔ ہم سب کو مل کر ایک دوسری کی مدد کرنی ہوگی اور آگاہی پھیلانی ہوگی تاکہ جس چیز سے ہم گزرے ہیں دوسروں کو بھی اس کے بارے میں بتائیں تاکہ وہ اس سے سبق سیکھ سکیں اور اس کے لیے عورت مارچ زبردست پلیٹ فارم ہے تاکہ ہم سب ایک ساتھ جمع ہو کر اس مشن کو آگے لے جائیں۔[۱۶]

تولیدی صحت کے حقوق عورت کو دیئے جائیں:

عورت مارچ کی آرگنائزر قوت مرزا کے مطابق اس نعرے کا بنیادی مقصد "تولیدی صحت" سے متعلق آگاہی پھیلانا تھا۔ عورت مارچ کے مطالبات میں سے صحت سے متعلق بنیادی فیصلوں کا حق عورت کو دینا نہایت اہم سمجھا گیا۔ ایک عورت نے کتنے بچے پیدا کرنے ہیں، کیا اس کے جسم میں مزید بچوں کی سکت ہے یا نہیں، کیا بیٹیاں پیدا ہونے کی صورت میں وہ مسلسل حمل اور پیدائش سے گزرتی رہے گی، اس کا فیصلہ کرنے کا حق عورت کے پاس ہونا چاہیے نہ کہ ان سے جڑے مرد حضرات کا۔ قوت مرزا کہتی ہیں اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ پاکستان میں سب سے زیادہ عورتیں زچگی کے دوران ہلاک ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے ہم نے عورت کے جسم پر اس کے حق کی بات کی اور اسے صحت کی بنیادی سہولت تک رسائی کا نعرہ لگایا۔[۱۷]

اپنا کھانا خود گرم کرلو:

یہ پاکستانی خواتین کی جانب سے ایک بہت ہی بنیادی تحریک تھی جس کی بنیاد پاکستان سے ہی اٹھی اور یہیں کی خواتین نے شروع کیا۔ اس پلے کارڈ کے پیچھے اس ذہنیت کی جانب اشارہ تھا کہ بہت ساری خواتین یہی سمجھتی ہیں کہ کھانا بنانا، گرم کرنا یا تازہ روٹیاں دینا خواتین کا کام ہے جس کی وجہ سے انہیں پیچھے رکھا جاتا ہے۔ یعنی ایک طریقے سے آپ ان کو باورچی خانے سے باندھ کر رکھنا چاہتے ہیں اور اس کو ان کی زندگی میں کامیابی کا پیمانہ سمجھا جاتا رہا ہے۔

باپ کی ذمہ داریاں اس حد تک سمجھی جاتی ہیں کہ وہ کمائے، تعلیم کے لئے کوئی سوچ بچار کرے یا بچوں پر رعب ڈالے، اس کے علاوہ باقی چیزوں کو باپ کی ذمہ داریوں میں گنا ہی نہیں جاتا اور اگر بچہ بگڑ جائے تو الزام کس کے سر؟ کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ فلاں بچہ باپ کی وجہ سے بگڑا اکثر یہ الزام ماؤں کے سر تھوپ دیا جاتا ہے تو اگر الزام بھی ماں کے سر ہے، کام بھی ماں کرے گی، دباؤ بھی ماں برداشت کرے گی، وقت اور کوشش بھی ماں کرے گی تو کریڈٹ ماں کو کیوں نہیں ملتا جب بچے اچھے ہوتے ہیں؟ اور اس سارے نظام کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ جب بچے خاص طور پر لڑکے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوتے ہیں تو اپنا بستر تک سیدھا نہیں کر سکتے، کھانا پکانا تو دور کی بات ہے اور ایسا خاص طور ایسے بچوں میں زیادہ ہوتا ہے جو تعلیم کے لئے گھر سے باہر جاتے ہیں، کھانا بنانا، کپڑے دھونا یہ عورتوں کے کام نہیں ہیں یہ زندگی کے گُر ہیں، لائف سکلز ہیں یعنی زندگے گذارنے کے اسلوب ہیں یہ سب کو برابر آنے چاہئے۔ تو ایک ایسے معاشرے میں جہاں لڑکے آسمان سے اتری مخلوق سمجھے جاتے ہیں وہاں اگر ایک لڑکی کچن کے بجائے بینکر بننا چاہتی ہے یا دنیا بدلنا چاہتی ہے یا کچھ اور کرنا چاہتی ہے اور کہتی کہ ہم کھانا پیکٹ مصالحہ سے بنالیں گے یا اپنا کھانا خود گرم کرلو تو غدر تو مچے گا۔ تو ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ہاتھ سے نکل چکی ہے۔ یا یہ وہ لڑکیاں ہیں جن کے بارے میں طنزاً کہا جاتا ہے کہ یہ وہ ہیں جو کہتی ہیں میرا جسم میری مرضی۔

اسی کے ضمن میں ایک پلے کارڈ پر یہ بھی درج تھا" مجھے کیا معلوم تمہارا موزہ کہاں ہے" جس پر بتایا گیا کہ عورت مرد کا ہر کام کرنے کی پابند نہیں ہے۔ جس طرح عورت گھر کی ذمہ دار فرد ہے اسی طرح مرد بھی ذمہ داری کا مظاہرہ کرے اور اپنا

موزہ خود تلاش کرے بجائے کہ عورت ہی اس کام کی پابند ہو؟ [۱۸]

PATRIARCHY کی تو بینڈ بجادوں گی:

ایک خاتون نے پلے کارڈ اٹھا رکھا تھا جس میں درج تھا "**PATRIARCHY** کی تو بینڈ بجادوں گی "۔اس میں خاندانی نظام کی مخالفت کی گئی تھی۔[۱۹] وائس آف امریکہ سے بات کرتے ہوئے سماجی علوم کی ماہر اور ریسرچر ندا کرمانی نے کہا کہ ایسے مارچ معاشرے میں پدرسری نظام کے ہاتھوں تنگ طبقات کے مسائل کی طرف توجہ مبذول کرواتے ہیں۔فریحہ عزیز کے کہا کہ میں اس لیے مارچ کروں گی تاکہ ہم سب کو کھلی فضا میں جینے کا حق ملے اور پدر شاہی نظام سے نجات ملے، جس کی وجہ سے تمام صنفیں نقصان کی باعث بنتی ہیں تاکہ غیرت کی جھوٹی رسمیں بند ہوں۔[۲۰]

آوارہ نہیں آزاد ہوں:

ایک خاتون نے یہ پلے کارڈ اٹھایا ہوا تھا جس میں درج تھا "آوارہ نہیں آزاد ہوں" جس پر انہوں نے بتایا کہ جس طرح مرد باہر نکلنے کا حق رکھتے ہیں اسی طرح خواتین بھی باہر نکلنے کا حق رکھتی ہیں اور اپنی مرضی کا لباس زیب تن کر سکتی ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ آوارہ ہے۔[۲۱]

یہ پلے کارڈ ایک لڑکی نے اٹھایا ہوا تھا جس کے بارے میں خواتین کا یہ کہنا تھا کہ عورت کے وجود سے نفرت نہیں کرنی چاہیے،اسے ہر قسم کا تحفظ فراہم کرنا چاہیے۔مریم سلیم فاروقی نے بی بی سی نیوز کو انٹرویو دیتے ہوئے بتایا کہ گذشتہ سال اسلام آباد، لاہور اور کراچی میں عورتوں کیلئے سائیکل ریلی ہوئی تھی اور خواتین نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، میں اس میں شامل تھی۔ کوئی آدھے گھنٹے اسلام آبادی کی سڑکوں پر سائیکل چلائی اور وہ کافی پراثر تھا۔ کئی لوگوں نے اسے اچھا سمجھا اور مثبت طور پر لیا لیکن کافی لوگوں کی جانب سے منفی رد عمل سامنے آیا تھا۔ ایک چھوٹی سی بات ہے لیکن عورت کا ایک گروپ میں سڑک پر آجانا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ بہت سوچنا پڑتا ہے۔ میں نے کیا پہنا ہوا ہے، کیا میں نے دوپٹہ لیا ہوا ہے یا نہیں، کیا میں نے پتلون پہنی ہوئی ہے؟ کیا میں اس طرح کسی جگہ جا سکتی ہوں یا نہیں، کیا یہ میرے لیے صحیح ہے یا نہیں، یہ سب بہت سوچنا پڑتا ہے اور صرف ایک عورت کو پتا ہوتا ہے کہ گھر سے بازار جانے تک کتنا سوچنا پڑتا ہے۔جس طرح مرد سگریٹ پیتے ہیں میں کیوں نہیں پی سکتی؟ مرد گلیوں میں، چوراہوں پر نکلتے ہیں اگر عورت نکلے اور کھڑی ہو جائے تو اسے برا کیوں سمجھتے ہیں؟مرد سائیکل چلا سکتے ہیں عورت کیوں نہیں؟[۲۲]

عورت مارچ کو روکنا غیر آئینی ہے:

عورت مارچ کے منتظمین کا ایک مطالبہ یہ بھی ہے کہ معاشی انصاف یقینی بنایا جائے۔ سماجی سطح پر نچلے ترین درجے پر موجود عورت کا تحفظ ہونا چاہیے اور یہی ان کا مطالبہ ہے۔ عورت کی محنت اور اس کی مزدوری کو ایکنالج کیا جائے، وہ گھر کا کام ہو ،دفتر کا یا کسی کھیت کا یا فیکٹری میں محنت کرنے والی عورت ہو، یہ ضروری ہے کہ اس کی محنت کو سمجھا جائے اور اسے اس کی محنت کے مطابق اجرت دی جائے۔ گھر میں کام کرنے والی خاتون خانہ ہیں تو ان کی عزت کی جائے کیوں کہ جب خاتون خانہ گھر سنبھالتی ہیں تو اس گھر کا مرد باہر جا کر نوکری یا کاروبار کر پاتا ہے، اس طرح یہ سمجھنا ہوگا کہ وہ خاتون خانہ اپنے خاندان کے معاشی استحکام میں برابر کا حصہ ڈال رہی ہے اور اس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔ مگر ڈھکے چھپے الفاظ سے مزین خبروں میں " مظالم کا شکار خواتین

کو انصاف کی فراہمی یقینی بنانے" کے مطالبات تو قابل قبول تھے مگر جب سے ان مظالم، ناانصافیوں اور حق تلفی کی فہرست باہر نکلی ہے، یہ عورت مارچ معاشرے کے ایک طبقے کی سمجھ سے باہر ہوا ہے۔

اسی طبقے کو سمجھانے کے لیے اس بار عورت مارچ سے پہلے خواتین نے سوچا کہ پہلے بتایا جائے کہ ہم مارچ کیوں کرنا چاہتی ہیں۔ سماجی رابطوں کی مختلف ویب سائیٹس پر ہیش ٹیگ "وائے آئی مارچ" کے تحت خواتین نے صرف وجوہات بتائیں۔ سماجی کارکن قوت مرزا نے بتایا کہ اس سال بھی ماضی کی طرح خواتین کے بنیادی حقوق کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ عورت مارچ دو سال سے ہو رہا ہے اور یہ ایک سماجی تحریک ہے جو خواتین کے آئینی اور قانونی حقوق کے لیے ایک جدوجہد ہے۔ خواتین کا کہنا تھا کہ یہ مارچ ہمارا قانونی اور آئینی حق ہے اور کوئی بھی جبراً اس مارچ کو نہیں روک سکتا۔[۲۳]

عورت کی شناخت:

بی بی سی اردو کے عابد حسین نے خواتین کے عالمی دن کے موقع پر مارچ میں موجود خواتین سے انٹرویو کیے۔ ان میں ایک خاتون مریم سلیم فاروقی (ان کا تعلق اسلام آباد سے ہے) سے اس پلے کارڈ "عورت کی شناخت مرد سے نہیں ہوتی اس کا اپنا وجود ہے"۔ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں جب جب گھر میں بڑی ہو رہی تھی تو وہاں زیادہ تر ذمہ داری خواتین نے لی ہوئی تھی اور انہوں نے سب کچھ کیا۔ ۱۴ سال قبل میرے والد کا انتقال ہوا تو لوگوں نے میری والدہ سے ہم سب بہنوں کے سامنے کہا کہ اگر بیٹا ہوتا تو زندگی میں کتنی آسانی ہوتی اور ساتھ میں میری ماں کو کہا کہ اب تو آپ اپنے بھائی کے گھر رہیں گی کیوں کہ آپ تو اکیلے نہیں رہ سکتی۔ لیکن نہ میری والدہ نے کسی سے مدد مانگی اور نہ وہ اپنے بھائی یا کسی اور کے پاس گئیں۔ انہوں نے گذشتہ ۱۴ سالوں میں خود ہمیں پالا پوسا اور ہمیں ایک مقام تک پہنچایا اور یہ میرے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ عورت جب بیوہ ہو جاتی ہے تو اس کی زندگی نہیں رکتی۔ عورت کی شناخت مرد سے نہیں ہوتی، عورت کا وجود اس کا اپنا ہے اور یہ بات ہمارے معاشرے میں لوگوں کو سمجھ نہیں آتی اور یہی وجہ ہے کہ میں عورت مارچ میں حصہ لینا چاہتی ہوں تاکہ عورتوں کے حقوق کے لیے آواز بلند ہو اور انہیں وہ حقوق ملیں جو ان کا حق ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ ہم سب عورتوں کو یہ معلوم ہو کہ ہم سب کچھ خود کر سکتے ہیں اور ہمیں کسی مرد کی موجودگی کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں خود آزاد ہونا چاہیے۔ معاشی طور پر، سماجی طور پر، ہمیں زندگی اپنے لیے جینی چاہیے، کسی اور کے لیے نہیں۔[۲۴]

صنف کی بنیاد پر تشدد:

ایک پلے کارڈ پر درج تھا "صنف کی بنیاد پر تشدد کا خاتمہ کیا جائے" ایک خاتون نے یہ پوسٹر اٹھایا ہوا تھا جس میں لکھا تھا "مارو گے تو مار بھی کھاؤ گے" مارچ میں شریک خواتین نے عورتوں پر کیے جانے والے تشدد کے خلاف آواز اٹھائی۔ خواتین کا کہنا تھا کہ جب مرد عورت پر ہاتھ اٹھاتا ہے تو اس اٹھے ہوئے ہاتھ کو کوئی روکنے والا نہیں ہوتا، کبھی عورت پر ڈنڈوں کی بوچھاڑ ہوتی ہے تو کبھی اسے پٹرول چھڑک کر جلا دیا جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں خاص طور پر دیہی خواتین آئے دن تشدد کا شکار ہوتی ہیں، اس ظلم کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ عورت مارچ کی اہم ترین اور پہلی تھیم تشدد کا خاتمہ ہے۔ یہ نعرہ صرف عورت پر تشدد کے خلاف ہی نہیں بلکہ ہر اس انسان سے جڑا ہوا ہے جو معاشرے میں کسی بھی قسم کا تشدد سہتا ہے۔[۲۵]

میری شادی نہیں آزادی کی فکر کرو:

عورت مارچ میں شریک ایک نوجوان لڑکی کے ہاتھ میں یہ پلے کارڈ تھا" میری شادی نہیں میری آزادی کی فکر کرو" جس کے بارے میں خواتین کا کہنا تھا کہ وہ ایک آزاد زندگی چاہتی ہیں۔ایک عورت کو شادی کی رات اس لیے مار دیا جاتا ہے کہ وہ کنواری نہیں تھی۔ کیا یہ فحاشی نہیں ہے کہ عورت کو صرف جنسی عضو کے طور پر دیکھا جاتا ہے اور کوئی عورت اس سے آگے نکل کر یہ کہتی ہے کہ میں یہ نہیں ہوں میں انسان ہوں تو اس میں کیا غلط ہے۔[۲۶]

کمیونیکیشن کے شعبے سے وابستہ اسلام آباد کی ثنا زبیری، جنہوں نے ابھی تک شادی نہیں کی، کہتی ہیں کہ خواتین کا کریئر اور تعلیم ہونے کے باوجود بھی ان کی شادی کو سب سے اہم سمجھا جاتا ہے۔وہ کہتی ہیں کہ معاشرہ لڑکی اور اس کے والدین میں ایک خوف ڈال دیتا ہے کہ اگر ابھی شادی نہ ہوئی تو کبھی نہیں ہو گی۔ ثنا کا مزید کہنا تھا کہ ہماری سوسائٹی میں عورت کو برابر سمجھا ہی نہیں جاتا، ہم نے معاشرے میں اس کے کردار کو معین کر دیا ہے کہ اس کا کام کچن میں رہنا، اپنے شوہر بچوں کی خدمت کرنا اور بچوں کا خیال رکھنا ہے جب کہ اس کا کریئر بہت بعد میں آتا ہے۔لوگوں کو خود مختار خواتین پسند نہیں ہوتیں وہ ان کی ذہنی آزادی سے پریشان ہوتے ہیں۔ ثنا اپنی زندگی سے مطمئن ہیں اور خود کو ایک کامیاب انسان سمجھتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں میرے کام کا تجربہ بہت اچھا ہے اور میں مکمل ہوں۔وہ کہتی ہیں میں شادی کے خلاف نہیں ہوں لیکن چاہتی ہوں کہ جس سے میری شادی ہو اس سے میری مطابقت ہو۔ سمجھوتہ شادی کے بعد ہونا چاہیے، آپ کو کبھی ایسا نہیں لگنا چاہیے کہ آپ کی شادی ہی ایک سمجھوتہ ہے۔[۲۷]

سوشیالوجی کی پروفیسر ندا کرمانی کا لکھا ہے کہ میں اس لیے مارچ کر رہی ہوں کیوں کہ لڑکیوں کو کہا جاتا ہے کہ وہ اونچا ہنس نہیں سکتی، عورتوں کو سکھایا جاتا ہے کہ ان کی زندگی کا واحد مقصد کسی کی بیوی بننا ہے۔ صحافی ایلیا زہرہ نے لکھا کہ میں مردانہ رعونت کا نشانہ بننے والوں کے لیے مارچ کر رہی ہوں۔ میں ان عورتوں کے لیے مارچ کر رہی ہوں، جو گول روٹی نہ بنانے کی وجہ سے مار دی گئیں۔ میں ان لڑکیوں کے لیے مارچ کر رہی ہوں جن کی زبردستی شادی کر دی جاتی ہے۔[۲۸]

درج بالا رپورٹس کی روشنی میں مذکورہ نعروں سے پاکستانی معاشرے میں ان صفات کی نشاندہی ہوتی ہے:

۱۔خواتین کو لباس، تفریح اور روزگار کے حوالے سے اسلامی اور ثقافتی پابندیوں کا سامنا ہے۔

۲۔والدین لڑکیوں کی جلد از جلد شادیاں کر کے اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں اس معاملے میں وہ لڑکیوں کی مرضی کو اہمیت نہیں دیتے۔

۳۔ شوہر بیویوں پر بے جا تشدد کرتے ہیں،انہیں شوہروں کی محض مملوکہ سمجھا جاتا ہے مزید برآں خراب صحت کے باوجود عورتوں کو بچے پیدا کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔

۴۔خواتین کو گھریلو کام اور خدمت کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔بچوں کی پرورش اور تربیت کی مکمل ذمہ داری عورتوں پر تھوپ دی جاتی ہے۔

۵۔پورا معاشرہ خاندانی نظام میں جکڑا ہوا ہے جہاں سب کو خاندان کے بڑوں کی حاکمیت بلا چون وچرا تسلیم کرنا پڑتی ہے۔

مباحث:

اولاً یہ بات کہ خواتین کو لباس، تفریح اور روزگار کے حوالے سے اسلامی اور ثقافتی پابندیوں کا سامنا ہے۔ان پابندیوں

کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ پاکستانی ثقافت اور اسلام دونوں خواتین کو پردے کا پابند بناتے ہیں۔ جہاں تک اسلام کی بات ہے تو قرآن نے صرف آزاد عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم دیا ہے: "اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادر لٹکا لیا کریں۔ اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے پھر نہ ستائی جائیں گی اور اللہ تعالی بخشنے والا مہربان ہے۔"[۲۹]

صحافی جویریہ صدیقی بھی ان بینرز کو متنازع سمجھتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ عورت مارچ کی مخالف نہیں لیکن چیزوں کو متنازع بنا کر مشہور کرنا درست عمل نہیں۔ ٹانگیں کھول کر بیٹھنا میرے نزدیک عورتوں کی خود مختاری نہیں، سگریٹ پینا، یہ وومین امپاورمنٹ نہیں، ہمارے معاشرے میں شدت پسندی ہے بہتر یہ ہے کہ ہم چیزوں کو خطرناک نہ بنائیں۔[۳۰]

محمد عطا اللہ صدیقی اپنے ایک مضمون "این جی اوز مافیا کی بوکھلاہٹ" میں لکھتے ہیں کہ انسانی حقوق، آزادی نسواں اور ترقی کے نام پر کچھ این جی اوز مغرب کی صیہونی لابی کے خطرناک ایجنڈے کی پاکستان تکمیل میں مصروف ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے جس سے وطن عزیز کی شناخت اور سالمیت کو شدید خطرات لاحق ہیں۔ فلاح و بہبود تو محض ایک **cover** ہے، اصل میں ان این جی اوز کا بنیادی مقصد پاکستان جیسے اسلامی ملک میں لادینیت اور جنسی بے راہ روی کو فروغ دینا ہے۔[۳۱]

اسلام نے خواتین کو باپردہ ہو کر تفریحی سرگرمیوں کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ اس کو پیغمبر اسلام ﷺ کی مبارک سنت سے مزید مزین بھی کیا ہے۔ رسول مکرم ﷺ تو اپنی زوجہ محترمہ کو کھیلوں کا نظارہ کروانے کیلئے کھڑے رہے تاکہ وہ آپ کے کندھے کے پیچھے سے دیکھ سکیں اور اس وقت تک کھڑے رہے جب تک وہ اپنی مرضی سے دیکھتی رہیں۔[۳۲] آں جناب ﷺ نے ان کی تفریحی خواہشات کو پورا کرنے کیلئے ان کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ بھی کیا۔[۳۳] یہ اسلامی روایات ہیں لیکن پاکستانی معاشرے میں ان اقدار کا فقدان ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان کی ثقافتی اور سماجی بنیادوں میں اسلامی تعلیمات کی اثرات ابھی تک ناپختہ ہیں۔ معاشی سرگرمیوں کے حوالے سے بھی اسلامی تعلیمات میں مرد و عورت کا کوئی فرق نہیں ہے۔ جناب رسول مکرم ﷺ کی پہلی زوجہ محترمہ کے بارے مستند ذرائع سے ثابت ہے کہ وہ عرب کی مشہور دیانت دار تاجرہ تھیں۔[۳۴]

ثانیاً جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ والدین لڑکیوں کی جلد از جلد شادیاں کر کے اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں اس معاملے میں وہ لڑکیوں کی مرضی کو اہمیت نہیں دیتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستانی معاشرے میں لڑکیوں کی شادی والدین کی مذہبی، اخلاقی اور سماجی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے۔ شادی نوع انسانی کی بقا کا نام ہے، خود عورت اپنے ہونے میں شادی کی محتاج ہے، اگر اسی طرح سارے کے سارے آزاد ہوتے اور شادی نہیں ہوتی تو پھر نسل انسانی کیسے آگے چلتی؟ نسب سے جڑے ہوئے بہت سارے نفقہ اور وراثت جیسے مسائل حل طلب رہ جاتے۔ اس لئے اسلام میں نکاح کی بڑی اہمیت ہے۔[۳۵]

شادی کے بجائے آزادی کا مطلب یہ ہے کہ عورت ہر قسم کی ذمہ داریوں سے آزادی چاہتی ہے۔ کیوں کہ شادی کی صورت میں ایک گھر کی ذمہ داری اس کے کاندھوں پر آپڑتی ہے۔ کیوں کہ وہ خاتون جو صبح سے شام تک نوکری کرتی ہے اور شام کو تھکی ہوئی جب گھر پہنچتی ہے تو اسے تو خود آرام کی ضرورت ہوتی ہے ایسے میں وہ ایک کنبے کا بوجھ کیسے برداشت کر سکتی ہے۔ پھر حاملہ ہونا، بچہ پیدا کرنا، اس کی پرورش کرنا، یہ ایک بہت ہی صبر آزما اور دشوار مرحلہ ہوتا ہے، ایسے میں نوکری پیشہ مائیں "آیا رکھتی ہیں" یا "ڈے کیئر سینٹر" میں اپنا بچہ چھوڑ دیتی ہیں۔ اس طرح ان بچوں کی شروع سے ہی نفسیات پر برا اثر پڑتا ہے۔ نیو

یارک ٹائمز میں ایک آرٹیکل Study links working mothers to slower learning" شائع ہوا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ جلد نوکری شروع کر دینا ان کے بچوں کی ذہنی نشو و نما پر غلط اثرات مرتب کرنا ہے۔اس آرٹیکل میں یہ لکھا گیا تھا کہ جو بچے زیادہ تر وقت ڈے کیئر میں گزارتے ہیں وہ غصیلے ہو جاتے ہیں اور ان کی طبیعت میں بہت ساری کمی رہ جاتی ہے۔ جسے صرف ماں ہی پوری کر سکتی ہے اور کوئی نہیں۔اس رپورٹ کے مطابق پورا دن ملازمت کرنے والی ماؤں کے بچے سکول میں بہت خراب نتائج کے حامل ہیں۔ایک ریسرچ کے مطابق: جلدی گھر آجانے والی ماؤں کے بچے کے اے لیول پاس کرنے کے چانسز ۶۰/۵۰ فی صد تک بڑھ جاتے ہیں۔ فُل ٹائم ملازمت کرنے والی ماؤں کے بچوں میں نفسیاتی امراض بھی زیادہ دیکھنے میں آئے ہیں۔[۳۶]

اسلامی شریعت نے لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کے بعد ان کی شادی کرنے والے کی فضیلت کو بیان کیا ہے۔ جیسا کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے رسول محترم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہوئے فرمایا: جس شخص نے تین بچیوں کی کفالت کی، انہیں زیور ادب سے آراستہ کیا اور ان کی شادی کر دی اور حسن سلوک کیا تو وہ جنت کا مستحق ہوا۔[۳۷] رہی بات لڑکیوں کی شادی کے معاملے میں خود ان کی مرضی کی تو یہاں بھی پاکستان کا کلچر اور اسلامی تعلیمات الگ الگ مقامات پر نظر آتے ہیں۔رسول مکرم ﷺ کا واضح ارشاد موجود ہے کہ لڑکی کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر نہ کیا جائے[۳۸]۔

ثالثاً یہ کہ شوہر بیویوں پر بے جا تشدد کرتے ہیں،انہیں شوہروں کی محض مملوکہ سمجھا جاتا ہے مزید برآں خراب صحت کے باوجود عورتوں کو بچے پیدا کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔قرآن مجید نے عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔[۳۹] عورتوں پر بے جا تشدد کو اسلام نے جائز قرار نہیں دیا۔[۴۰] احادیث کے ذخیرہ میں جا بجا بیویوں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے معاملے میں اللہ سے ڈرنے کی تاکید کی گئی ہے[۴۱]۔ یہاں تک کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کو مردوں کے لئے اچھائی کا معیار قرار دے دیا۔[۴۲] اس تفصیل کی موجودگی میں یہ بات بداہتاً معلوم ہو سکتی ہے کہ اگر کسی معاشرے میں خواتین پر تشدد رپورٹ ہوتا ہے تو وہاں معاشرتی اقدار اسلامی نہیں ہیں۔

رابعاً یہ کہ خواتین کو گھریلو کام اور خدمت کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے مزید برآں بچوں کی پرورش اور تربیت کی مکمل ذمہ داری عورتوں پر تھوپ دی جاتی ہے۔اس کی وضاحت اسلامی شریعت میں یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کی مالی ضروریات کا کفیل مرد کو بنایا گیا ہے۔[۴۳] اب اگر وہ اس ذمہ داری سے عہدہ براء ہونے کے لئے گھر سے باہر جائے گا تو عورت اس کے بعد گھریلو امور کی نگران ہو گی۔[۴۴] عورت اگر گھریلو کام کاج کرے تو وہ مرد و عورت کی باہمی رضامندی اور آپس کی محبت اور اپنائیت کی وجہ سے ہو گا نا کہ مجبوری کی وجہ سے۔گھریلو کام کاج میں بھی ایک سچے مسلم کے لئے نبی مکرم ﷺ کا اسوہ حسنہ یہ ہے کہ آپ گھر کے کاموں میں ازواج مطہرات کا ہاتھ بٹاتے اور اپنے دست مبارک سے کام کر لیا کرتے تھے۔[۴۵] پاکستان میں جب سے آزادی مارچ کی گونج سنائی دی جانے لگی تب سے ہی برابری کی سطح کی آوازیں بھی اٹھنے لگیں،اور یہ آوازیں دیگر شعبوں کی طرح گھروں کی حدود میں بھی داخل ہو گئیں پھر بچہ کی پرورش مسئلہ بن کر رہ گئی۔ کہا جانے لگا کہ عورت ہی کیا ذمہ دار ہے ہر وقت بچہ سنبھالنے کی؟ خالق کائنات نے عورت کی تخلیق ہی اس انداز کی کی ہے کہ اس میں بچہ کی پرورش کی صلاحیت رکھی ہے،اسے حاملہ ہونے کے وصف سے نوازا ہے،اس کے دودھ کو بچے کی غذا بنایا ہے، پھر عورت اس قدر نالاں کیوں ہے؟

آج کی ماں کے پاس اپنے بچوں کے لیے وقت نہیں ہے، وہ کہتی ہے کہ میرا بھی اپنی زندگی پر کچھ حق ہے، سارا دن بچے پالنا کیا یہی میری زندگی ہے۔ ان میں سے اکثریت ان ماؤں کی ہے جو ملازمت پیشہ ہیں، کچھ وہ مائیں ہیں جو آزادی مارچ کے نعروں میں اپنا دن رات ایک کر دیتی ہیں لیکن وہ کھانا گرم نہیں کرنا چاہتیں۔ جب ان کے بچے ماں سے کچھ کھانے کی فرمائش کرتے ہیں تو یہ ان کے ہاتھوں میں پیسے تھما کر فاسٹ فوڈز کا راستہ دکھاتی ہیں۔

رہی بات بچوں کی پرورش اور تربیت کی تو یہ ذمہ داری عقلاً اور شرعاً عورت پر ہی عائد ہوتی ہے۔ عقلاً یوں کہ جب مرد مالی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی غرض سے باہر ہوگا تو بچوں کی دیکھ بھال گھر میں موجود خاتونِ خانہ کو ہی کرنا ہوگی، ہاں یہ ضرور ہے کہ بعض صورتوں میں اگر عورت بچوں کی دیکھ بھال کا معاوضہ لینا چاہے تو مرد سے تقاضا کر سکتی ہے۔[۴۶] بصورتِ دیگر مرد کو بچوں کی دیکھ بھال کے لئے کسی دوسری خاتون کا انتظام کرنا ہوگا اور یہ امر پہلی خاتون کے لئے زیادہ ناگوار ہوگا۔ شریعت اسلامیہ میں بچے کی پرورش کرنے کو "حضانت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تمام فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ بچے کی پرورش کا سب سے پہلا حق اس کی ماں کا ہے۔ گویا کہ اسلام نے بچے کی دیکھ بھال کو عورت کا فرض نہیں بلکہ اس کا اولین حق قرار دیا ہے۔[۴۷] مشہور مستشرقہ کیرن آرم سٹرانگ نے لکھا:

"ہمیں یہ بات بھی مد نظر رکھنی چاہیے کہ مسیحی یورپ میں خواتین کو اس قسم کے حقوق (جو اسلام نے دیے) حاصل کرنے کے لیے انیسویں صدی تک انتظار کرنا پڑا، اس کے باوجود قانون کا جھکاؤ بدستور مردوں کی طرف ہے"۔[۴۸] اپنی ایک اور کتاب میں لکھتی ہیں: "قرآن عورتوں کو ایک قانونی رتبہ دلانے کی کوشش کر رہا تھا جو بیش تر مغربی خواتین کو انیسویں صدی تک بھی حاصل نہ ہو سکا"۔[۴۹]

خامساً یہ کہ پورا معاشرہ مشترکہ خاندانی نظام میں جکڑا ہوا ہے جہاں سب کو خاندان کے بڑوں کی حاکمیت بلا چون وچرا تسلیم کرنا پڑتی ہے۔ خاندانی نظام کے مسئلے میں مشرقی اور مغربی اقدار دو مختلف انتہاؤں پر کھڑی ہیں۔ ہمارے ہاں مشرق میں مشترکہ خاندانی نظام رائج ہے۔ اس نظام میں بچے بلوغت کے بعد بلکہ شادی کے بعد بھی اپنے والدین کے ساتھ رہتے ہیں، یا یوں کہیں کہ بوڑھے والدین اپنے بچوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ اسلام نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے[۵۰] جس کی تعمیل مشترکہ خاندانی نظام میں بحسن وخوبی ہوتی ہے لیکن اس میں کچھ افراد کے حقوق پامال بھی ہوتے ہیں۔ بیویوں کے حقوق میں ان کا الگ گھر ہے جہاں وہ اپنے شوہر کے ساتھ آزادانہ زندگی گزاریں[۵۱]، اسی طرح ان کا حق ہے کہ شوہر کے رشتہ داروں سے پردہ کریں[۵۲]۔ اس نظام میں بیویوں کے مذکورہ حقوق پورے نہیں ہوتے۔ علاوہ ازیں بوڑھے والدین اپنے بچوں کے ساتھ ساتھ ان کی ازواج اور اولاد کے لئے بھی حاکم کا درجہ رکھتے ہیں جس سے غلامی کا تاثر ابھرتا ہے۔ مغرب میں مشترکہ خاندانی نظام کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ ہر فرد اپنے فیصلے میں آزاد ہے اور خود ذمہ دار ہے۔ بلوغت کے بعد والدین بچوں کے لئے ایک اجنبی کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہاں جب ماں باپ بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ان کے لیے اولڈ ہاؤس ہوتے ہیں جہاں وہ تنہائی کا شکار ہو کر مختلف ذہنی امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

"مغربی معاشرہ کی تقلید میں آخر ہم اتنے بے تاب کیوں ہیں؟ کیا ان کے گھروں میں سکون کی وہ چاندنی چھلکتی ہے جس

سے ہمارے گھروں کے صحن منور ہیں؟ کیا وہاں شوہر اور بیوی میں وہ اعتماد موجود ہے جس سے ہم یہاں لطف اندوز ہیں؟ وہ تو عورت کو گھر کی چار دیواری سے نکال کر خون کے آنسو رو رہے ہیں اور ہم وہ سوختہ سامان ہیں کہ اپنی پاکیزہ روایات کی متاع عزیز کو لٹا کر ان کی پیروی کے لیے پر تول رہے ہیں۔ آؤ مل بیٹھیں اس قعر مذلت میں کودنے سے پہلے ایک مرتبہ صلاح مشورہ تو کر لیں"۔ [۵۳]

نتائج بحث:

پاکستان کے لوگ عقائد، عبادات اور انفرادی لحاظ سے اگرچہ مسلمان ہیں لیکن ان کی معاشرت اور سماج بحیثیت اجتماعی اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ معاشرے کی اصلاح کی ضرورت ہے اور وہ صرف اور صرف اسلامی اقدار کی روشنی میں ہی ہو سکتی ہے۔ آج پاکستانی عورت جس دوراہے پر کھڑی ہے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کر رہی ہے اگر وہ فکری طور پر اسلامی سوچ رکھتی تو لازماً وہ حقوق جس کی یہ متلاشی تو وہ تو اسلام کے دامن میں موجود ہیں۔ عورت کو تو آزادی چاہیے ؟ لیکن کیسی آزادی؟ وہ جو مغرب میں میسر ہے؟ مغرب میں تو مادر پدر آزادی ہے جو ہمارے یہاں جانوروں کو تو حاصل ہوتی ہے لیکن پاکستان کا آئین اور قانون اس آزادی کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی مرد یا عورت اپنی مرضی سے ایسی سے زندگی گزارے جو کہ مغرب میں رائج ہے، جہاں ماں باپ اپنے بچے کی اخلاقی تربیت نہ کر سکیں۔ یہ سوشل میڈیا کا دور ہے، بچوں کو نہیں معلوم کہ صحیح سمت کیا ہے، کل کو یہی بچہ کسی خطرناک تنظیم کے ہاتھ لگ گیا تو اس کے بگاڑ کا ذمہ دار کون ہو گا؟ ہمارے ملک میں حقوق نسواں کے نام پر سیدھی سادی خواتین کو مخصوص ایجنڈے کے مطابق عورت مارچ کے لئے اکسایا جا رہا ہے۔ جیسا کہ مسز تنویر ندیم نے اپنے مقالے "این جی اوز اور ان کی سر گرمیاں" میں اس کا حوالہ دیا ہے۔ "یہ این جی اوز اکثر و بیشتر مسلمانوں کی غربت اور بے بسی سے فائدہ اٹھا کر انہیں پیسے کے بل بوتے پر بھی عیسائی بنا رہی ہیں، حقوق نسواں اور آزادی خواتین کی علم بردار این جی اوز کی اکثریت غریب، پسماندہ، پریشان حال اور بے سہارا خواتین کی مجبوریوں سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ یہ بظاہر ان کی غم گسار اور خیر خواہ بن کر انہیں شوہروں اور خاندانی نظام سے بغاوت پر اکساتی ہیں۔ ان این جی اوز نے ایسی خواتین کو ایسے ایسے سبق پڑھائے کہ گھروں کے گھر اجڑ کر رہ گئے۔ حتیٰ کہ بعض خواتین کو انہوں نے پیسے، شہرت اور اعلی معیارِ زندگی کی چمک سے اتنا اندھا کر دیا کہ وہ اپنی روایتی حیا و تقدس کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے سر بازار بکنے کو بھی تیار ہو گئیں"۔ [۵۴]

شواہد یہ بھی ہیں کہ پاکستان میں مختلف طبقات میں رہنے والی عورتوں کو حقوق نہیں ملتے۔ ثبوت اس بات کے بھی ملے ہیں کہ ہمارے ہاں خواتین گھریلو تشدد اور ظلم کا شکار ہوتی ہیں۔ انہیں وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے، کہیں ونی اور کہیں کاروکاری اور کہیں تعلیمی میدان میں ان کو پیچھے رکھا جاتا ہے، کہیں وٹے سٹے کی شادی اور کہیں قرآن کے نام پر انہیں ساری زندگی کے لیے پابند سلاسل کر دیا جاتا ہے۔ یہ ہمارے معاشرے کی ایک انتہاء ہے اور دوسری انتہاء وہ ہے جہاں عورت مارچ کی خواتین کھڑی ہیں۔ ان دو انتہاؤں کے درمیان ایک اعتدال کا راستہ بھی ہے۔ وہ شریعت اسلامی کا راستہ ہے۔ پاکستانی معاشرہ مسلمانوں کا معاشرہ ہے۔ اس معاشرے کے لئے اسلامی اقدار کی دعوت قابل قبول بھی ہو گی اور ان کا نفاذ آسان بھی ہو گا۔ اسلام کے دامن میں خواتین کے لئے منصفانہ حقوق بھی ہیں اور احترام و محبت کے ساتھ پذیرائی بھی۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

[1] ثانی، ڈاکٹر حافظ محمد، محسن انسانیت اور انسانی حقوق، دار الاشاعت، کراچی، ص:۳۴۷-۳۴۰

Sani ,Dr,Hafiz Muhammad, Mohsin Insaniat or Insani Haqooq,Pubilisher darul Ishat,Krachi

[2] ایس ایم شاہد، تعارف مذاہب عالم، نیو بک پیلس لاہور، ص: ۹۲

S M Shahid,Taarif Mazahib Alam,New Book Palase Lahore,P92

[3] غلام رسول، چوہدری، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، علمی کتب خانہ، لاہور، ص: ۳۹۳

Ghulam Rasool Chohdry,Mazahib alam ka Taqabli Mutalaha, Ilmi Kutub Khana,Lahore,P393

[4] بھٹی، پروفیسر اقبال احمد، مختصر واقفیت عامہ، بھٹی پبلشرز، جہلم، ۱۹۸۵، ص: ۱۱۲

Bhaati, Prof,Iqbal Ahmed, Mukhtasar waqfiat ama, Bhati Publisher,Jahlum,P112

[5] مودودی، سید ابو الاعلیٰ، پردہ، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ص: ۲۵-۱۵

Mudodi,syed abul ahla,Parda ,Islamic publisher Lahore,P15.25

[6] عمری، سید جلال الدین انصر، عورت اسلامی معاشرے میں، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ص: ۲۸-۲۷

Umri, Syed Jalal udin Ansar,Ourat Islami MoAshry Main,Publisher,Islamic Publication,P28

[7] ثمر مبارک علی، ڈاکٹر، تاریخ اور عورت، تاریخ پبلیکیشنز بک اسٹریٹ ۳۹، مزنگ روڈ لاہور، ص ۵۲-۵۰

Samar Mubarik ali, Dr, Tareekh or Ourat,Publisher Tareekh Publications Book streat,Muzang Road Lahore,P 52

[8] دل ڈیورانٹ، انسانی تہذیب کا ارتقا، (اردو)، مترجم: تنویر جہاں، فکشن ہاؤس ۱۸-مزنگ روڈ، لاہور، ۲۰۰۴، ص: 112

Dil Dewarint, Insani Tahzeeb ka Irtaqa,Publisher,Fiksh House, Muzang Road Lahore,P 112

[9] احمد بخش، پروفیسر حافظ، جمال کرم، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلشرز لاہور، ج: ۲، ص: ۱۶۳

Ahmed Bakash,Prof, Hafiz Kamal Karam,Publisher, Zia ul quran Publisher,V2 ,P163

[10] روزنامہ جنگ، لاہور، ۲۸مارچ، ۱۹۹۵

Daily Jang, Lahore,28 March, 1995

11 Un- Briefing papers "The World Conferences "Developing Priorities For the 21st century New York United Nations, (Report)P32.33

12 The Best Of Times, The Worst Of Times: Feminism in the Unites states by Jahanne Brenner,p.33

13 https://twitter.com/rohanmc7/status/1236785320215089153

14 https://www.bbc.com/urdu/pakistan-51624864

15 https://www.bbc.com/urdu/pakistan-51624864

16 https://www.bbc.com/urdu/pakistan-47486227

17 https://www.bbc.com/urdu/pakistan-51624864

18 https://www.bbc.com/urdu/pakistan-47494566

19 https://www.bbc.com/urdu/pakistan-51786561

20https://www.urduvoa.com/a/aurat-march-social-media/4817921.html

21https://www.bbc.com/urdu/pakistan-47494859

22 https://www.bbc.com/urdu/pakistan-47486227

23 https://www.bbc.com/urdu/pakistan-51786561

24 https://www.bbc.com/urdu/pakistan-47486227

25 https://www.bbc.com/urdu/pakistan-51786561

26https://www.bbc.com/urdu/pakistan-51769415

27 https://www.bbc.com/urdu/pakistan-50576050

28 https://www.urduvoa.com/a/aurat-march-why-i-march-social-media/5305696.html

[29] سورۃ الاحزاب: ۵۹

ALQuran:33 ,59

[30] https://www.bbc.com/urdu/pakistan-51769415

[31] ایضاً، ص: ۴۲۰، ۴۱۹

Ibid,P420

[32] مسلم، امام، صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ العیدین، رقم الحدیث: 2064

Muslim,Imam, Sahih Muslim,Hadith,2064

[33] ابوداؤد، امام، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، رقم الحدیث:2578

Abu, Dawood, Sunan Abi Dawood, Kitabul Jihad,Hadith,2578

[34] ابن سعد، محمد، طبقات ابن سعد، نفیس اکیڈمی اردو بازار، کراچی، جلد اول، جزاول، ص:150

Ibn Saad, Tabqat Ibn Saad,Publisher Nafees Academy,Urdu Bazar,V1,P150

[35] النساء:3

AlQuran:4,3

[36] Tamar Levin, Study Links Working Mothers Slower Learning , New York Times, July-17,2002

[37] ترمذی، امام، جامع ترمذی، باب ماجاء فی النفقہ علی البنات علی الاخوات، رقم الحدیث: ۱۹۱۲

Tirmizi, Jamih Tirmizi,Hadith,1912

[38] بخاری، امام، صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب لاینکح الأب وغیرہ البکر والثیب إلا برضاہا، رقم الحدیث: ۴۸۴۳

Bukhari, Imam, Sahih, Hadith,4843

[39] النساء:19

AlQuran:4,19

[40] بخاری، امام، صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب مایکرہ من ضرب النساء وقول اللہ (واضربوہن) إی ضربا غیر مبرح، رقم الحدیث: ۴۹۰۸

Bukhari, Imam, Sahih, Hadith,4908

[41] مسلم، امام، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی، رقم الحدیث: ۱۲۱۸

Muslim, Imam,Sahih Muslim, Hadith,1218

[42] ترمذی، امام، جامع ترمذی، کتاب فضائل ومناقب، باب فضائل امہات المؤمنین، رقم الحدیث:3895

Tirmizi, Jamih Tirmizi,Hadith,3895

[43] سورۃ النساء:34

AlQuran:4,34

[44] بخاری، امام، صحیح بخاری، کتاب العتق، باب کراہیۃ التطاول علی الرقیق وقولہ عبدی أوأمتی، رقم الحدیث:2554

Bukhari, Imam, Sahih, Hadith,2554

[45] ترمذی، امام، جامع ترمذی، باب ممافی صفۃ اوانی الحوض، رقم الحدیث:2489

Tirmizi, Jamih Tirmizi,Hadith,2489

[46] سورۃ البقرہ:233

AlQuran:1,233

[47] ابوداؤد، امام، سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، رقم الحدیث:2276

Abu dawood, Sunan,Abi Dawood, Hadith,2276

[۴۸] آر مسٹرانگ، کیرن، محمد پیغمبر اسلام کی سوانح حیات، نشریات جنوری ۲۰۱۲،الحمد مارکیٹ اردو بازار لاہور، ص: ۲۵۷

Armstarg, Keran, Muhammad Pagimber-e-Islam,P,275

[۴۹] آر مسٹرانگ، کیرن ،پیغمبرامن، مترجم یاسر جواد، مطبوعہ نگارشات پبلشرز لاہور، ص: ۱۰۷۔۱۰۸

Armstarg, Keran, Muhammad Pagimber-e-Islam,P,107

[۵۰] الاسرا:24

AlQuran:17,233

[۵۱] الطلاق:6

AlQuran:65,6

[۵۲] بخاری،امام، صحیح بخاری، باب لایخلون رجل بامراۃإلا ذو محرم والدخول علی المغیبۃ، رقم الحدیث:5232

Bukhari, Imam, Sahih, Hadith,5232

[۵۳] احمد بخش، پروفیسر حافظ، جمال کرم، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلشرز لاہور، ج: ۲، ص: ۵۸۱

Ahmed Bakhsh, Prof ,Hafiz Jamal Karam,Publisher,Zia-ul-Quran,,Lahore, V2,P,581

[۵۴] خالد، محمد متین، حقوق انسانی کی آڑ میں، ناشر مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان، ص ۲۶۴۔۲۶۵

Khalid,Muhammad Mateen, Haqooq insani ki Ar main,Publisher Majlis Khatma Nabowat, Hazoori Bgh Multan,P 264